یہ ’’شاہ جی‘‘ یہ تیرے پُراَسرار بندے

شعیب ودود

علم و عمل میں دیانت داری، طرزِ زندگی میں وضع داری، اپنے پرائے کے لیے مہمان داری، لین دین میں ایمانداری اور دوستوں لے لیے طرح داری ذوالکفل بخاری کی وہ خصوصیات تھیں کہ جو اسے آج کل کے نوجوانوں سے ممتاز کیے ہوئے تھیں۔ ذوالکفل نہ صرف میرا ہم عمر تھا بلکہ وہ میرا ہم مکتب بھی تھا اور ہم مسلک بھی۔ اس کی اور میری دوستی ذوالکفل کے عظیم نانا جان سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور میرے پرنانا جان حاجی برخوردار مرحوم کے درمیان عقیدت و احترام کے سلسلوں کی امین تھی اور پچاس برس پہلے قائم ہونے والے ایک ان مٹ رشتے کی تیسری نسل میں چلنے والی دوستی کی زندہ سلامت جیتی جاگتی تعریف تھی۔ سید ابوذر بخاری اور نانا جان ملک عبد الغفور انوری مرحوم بھی یارانِ طرح دار تھے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے تین بھائیوں کے ہمراہ ذوالکفل کو اپنا چوتھا بھائی پایا۔ ہم دونوں درسگاہ میں اکٹھے داخل ہوتے اکٹھے بیٹھتے، اکٹھی شرارتیں کرتے اور پھر حافظ جی سے اکٹھے مار کھاتے۔ ایک دوسرے کو مار کھانے سے بچانے کی مکمل کوشش کرتے۔ درسگاہ سے باہر آ کر ہنسی میں لوٹ پوٹ ہوجاتے اور اس کہاوت کو دہراتے کہ دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے۔ ہم دونوں کاروبارِ زندگی میں ایک دوسرے کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ لڑکپن میں دونوں اپنے قریبی گھروں سے تندور پر اکٹھی روٹیاں لگوانے نکلتے۔ اشیائے روزمرہ یعنی پھل سبزیاں گوشت اکٹھے ہی خریدتے تھے۔ سبزیوں پھلوں کے ’’حسب نسب‘‘ کو بہتر طریقے سے جانچنے اور پرکھنے پر ہمیشہ ذوالکفل مجھے داد کا مستحق قرار دیتا تھا۔ ذوالکفل کہا کرتا تھا کہ اللہ پاک نے تم میں قصاب حضرات کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کرنے کی اضافی صلاحیتیں بھر دی ہیں۔ بقراعید سے یاد آیا ہم ہمیشہ قربانی کے جانور اکٹھے خریدنے نکلتے۔ بکروں کے قریب پہنچ کر ذوالکفل بخاری کی کمنٹری جاری ہوجاتی۔ بکرے کی قیمت سن کر وہ اکثر و بیشتر بہت ہی خوبصورت باتیں کیا کرتا تھا۔ کہتا تھا قربانی کے بعد جنت میں جانے کا سنا ہے لگتا ہے موصوف بکرے صاحب جنت سے ہو کر آ بھی گئے ہیں۔ بکرے کی ماں اگر منڈی میں کہیں مل جاتی تو اسے سے ٹی وی کے اینکرز کی طرح سوال کرتا کہ آخر کب تک خیر مناؤ گی؟

ایک بکراعید پر بکرے کے مالک نے بکرے کی قیمت ۲۰ ہزار بتائی۔ وجہ پوچھنے پر مالک صاحب نے فرمایا کیونکہ یہ ایک کمینہ بکرا ہے لہٰذا اِس کی قیمت زیادہ رکھی گئی ہے۔ ذوالکفل نے جھٹ سے سوال کیا کہ اس بکرے کا کمینہ پن اسے وراثت میں ملا ہے یا پھر تمھاری صحبت کا نتیجہ ہے؟ امید ہے بکرے کے مالک صاحب نے آئندہ کسی خریدار کو بکرے کے عادات و خصائل کے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔ گزشتہ ستمبر ۲۰۰۹ء میں بھی وہ جب مکہ سے لوٹا تو کہنے لگا کپڑے اور عینکیں بنوانی ہے لہٰذا اتوار کی شام ہم چار گھنٹوں تک چھاؤنی بازار میں خریداری کرتے رہے۔ ۳۹ سالہ زندگی میں مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کوئی چیز اس کے لیے پسند کی ہو اور اس نے انکار کیا ہو یا زندگی میں کبھی لمحہ بھر کے لیے کبھی ہم دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہوئی ہو۔ ہرگز نہیں۔ دوستی کا یہ مختصر سفر جو ہوش سنبھالنے سے شروع ہوا تھا اپنے مختصر سفرنامے میں کئی خوبصورت مناظر بیان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ذوالکفل املج اور میں دبئی میں بسلسلۂ روزگار مقیم تھا۔ عمرہ کی سعادت بھی اکٹھی ہی حاصل کیا کرتے تھے۔ رمضان کے آخری

عشرے میں دونوں باب الریاض کے سامنے ملتے اور پھر دس روز تک عبادات یعنی نمازِ پنجگانہ اور قیام اللیل اور نمازِ تراویح سب ہمراہ ہی ادا کرتے تھے۔۲۰۰۳ء میں نمازِ تراویح کے بعد ذوالکفل کہنے لگا کہ رہائش گاہ پر چلتے ہیں۔گرمی کی وجہ سے غسل کرتے ہیں اور پھر قیام اللیل کرنے واپس حرم شریف آئیں گے۔آخری عشرے کی ۲۴ویں رات تھی۔غسل کر کے ہم دونوں اے سی کی ٹھنڈک میں ایسے سوئے کہ اگلے دن صبح سات بجے آنکھ کھلی۔قیام اللیل تو درکنار سحری کرنے کا موقع بھی گنوا بیٹھے۔بعد میں اکثر و بیشتر مجھے کسی کام کے لیے بھی ذوالکفل مشورہ دیتا تو میرا جواب یہی ہوتا تھا کہ بھائی صاحب قیام اللیل والا حال نہ کروا دینا۔

ذوالکفل کا مطالعہ انتہائی وقیع تھا۔درحقیقت اس نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی کہ جہاں چاروں اور علم وعمل کے چراغ روشن تھے۔نانا اپنے وقت کے عظیم خطیب، ماموں اپنے وقتوں کے جید عالم، والد اسلامیات کے انتہائی قابل پروفیسر، اہل خانہ درسِ نظامی کی فارغ التحصیل۔یوں اسے چھوٹی عمر سے ہی ایک ادبی آب وہوا میسر آئی کہ جہاں پر ہر لمحہ مذہب، سیاست، تاریخ، شعر وادب اور طنز ومزاح سے مزین گفتگو سننے کو ملی بلکہ اسے کتابوں کے نام بتانے والے اور کتابیں خرید کر لا دینے والے والد محترم اور بڑے بھائی سید کفیل بخاری بھی میسر آچکے تھے۔قدرت نے ذوالکفل کو ذہین وفطین بنایا تھا۔وہ صرف ایک مرتبہ کوئی کتاب پڑھ لیتا تو اس کتاب کی یاداشتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے ذہن کی ہارڈ ڈسک میں محفوظ ہوجاتی تھیں۔تمام تر اساتذہ شعراء کا کلام اردو اور فارسی میں اُسے ازبر تھا۔اسلامی تاریخ کا وہ حافظ تھا۔اس کا محبوب مشغلۂ تحریر ایسے ادیبوں اور شاعروں کو جواب لکھنا ہوتا تھا کہ جو غلط باتیں لکھ کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔غلط باتوں کی تصحیح کروانے کے بعد وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اس کی نیت خدا جانتا ہے۔

''فاران اکادمی'' ملتان کے ادبی فورم پر پروفیسر ذوالکفل بخاری اپنے بہت سے دوستوں کو کھینچ لایا تھا۔یہ اس کی شگفتہ شخصیت کا ہی کمال تھا کہ ہر طرح کا طبقۂ فکر اس کی دعوت پر لبیک کہتا اور حاضر ہوجاتا تھا۔

فاران اکادمی کے فورم سے اس نے جتنے دوستوں کو اکٹھا کیا وہ سب کے سب اب کئی کتابوں کے مصنف ادیب یا شاعر ہیں۔اس کے چاہنے والوں میں اسلم انصاری، حفیظ الرحمٰن خان، خالد مسعود خان، خان، رؤف کلاسرا، مستحسن خیال، مختار پارس، خالد سنجرانی شامل ہیں۔پروفیسر تاثیر وجدان اور ڈاکٹر مختار ظفر کے ساتھ ذوالکفل بخاری ملتان کی ادبی تاریخ پر گھنٹوں گھنٹوں گفتگو کیا کرتا تھا۔برادر بزرگ جاوید اختر بھٹی کے ہاں میں اور ذوالکفل جب بھی حاضری دیتے تو ہماری یہ نشست کم و بیش چار پانچ گھنٹوں پر مشتمل ہوتی تھی۔

پروفیسر ذوالکفل بخاری نے حال ہی میں ام القریٰ یونیورسٹی مکۃ المکرّمہ میں بطور انگریزی لیکچرار ملازمت اختیار کی تھی۔مگر پندرہ نومبر اتوار وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے بعد جب یونیورسٹی سے اپنی رہائش کی طرف روانہ ہوا تو قضا کے راستوں پر چل نکلا اور ایک کار کے حادثے میں اِس دارِ فانی سے رحلت کرتے ہوئے خانے کعبہ میں نماز جنازہ اور جنت المعلیٰ کے احاطۂ دارِ بنی ہاشم میں دفن ہوکر بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر گیا۔اور اب اس کے گھر کا......طواف کرنے کو صبح بہار آتی ہے

صبا چڑھانے کو جنت کے پھول لاتی ہے

میری کتاب خامہ جنگی (اشاعت ۲۰۰۵ء) میں ذوالکفل بخاری کے متعلق کچھ فقرے سرزد ہوئے تھے:

ملتان کے باسی عمر بھر ''گرما گرمی'' کا شکار رہتے ہیں۔وہ سب اچھے برے کام اسی گرمی میں ہی کرتے ہیں۔
عرس کے چاول اور عروس کے چھوارے اسی جہنمی موسم میں بھی چلتے ہیں۔''گرما گرمی'' کے عام موسم میں جب
ہم میدانوں میں کرکٹ کھیلا کرتے تو یہ کاغذ اور قلم سے ''قلما قلمی'' کھیلا کرتے تھے۔دور سے آرہے ہوں تو لگتا

ہے فاسٹ باؤلر اپنے رن اپ کی طرف جا رہا ہے۔ ہر وقت جلدی میں ہوتے ہیں۔ اس جلدی میں ایک دن اتفاق سے ہم ان کے بالکل سامنے آ گئے۔ یہ ہمیں دھکا دے کر آگے نکل گئے۔ یہ اتنی جلدی میں تھے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ مگر چلتے چلتے فرما گئے بھائی صاحب دیکھ کر چلا کریں۔ یہ اسی جلدی میں ۲۰۰۲ء میں عربوں کو انگریزی پڑھانے املج چلے گئے۔ اپنی ناتواں جان اور توانا انگریزی کو صحرائے عرب کے منہ زور جھکڑوں کے حوالے کر دیا اور اب عربوں کو نہ جانے انگریزی کے اربوں لفظ کس طرح پڑھاتے، لکھواتے اور یاد کرواتے ہوں گے۔ یہ صاحب اور انگریزی دونوں اس صحرائے عرب میں مظلوم ہیں کیونکہ عربوں کو غیر عربی زبان کا سیکھنا انتہائی ناگوار گزرتا ہے، تو پھر سکھانے والے کتنے ناگوار گزرتے ہوں گے۔

ایک عربی صاحب تو اکثر ہمیں اپنی زخمی زبان دکھانے بطور خاص تشریف لاتے۔ فرماتے کہ انگریزی بولتا ہوں تو زبان کبھی دانتوں کی زد میں آ جاتی ہے اور کبھی دانت زبان کی زد میں آ جاتے ہیں۔ دنوں صورتوں میں نقصان تو ''زبان'' ہی کا ہے۔ وہ بقائمی ہوش وحواس کہتا ہے کہ عربوں کو ان کے ناجائز فخر اور تکبر کی سزا اللہ پاک نے اسی صورت میں دے دی ہے کہ وہ عربوں کا استاد ہے اور شعیب وددو عربوں کی کمپنی کا منیجر ہے۔ خطابت اس کی وراثت، نیکی اس کی خصلت، شاعری اس کی محبت اور دو چار یوم کا کہہ کر چھ، سات سال تک ایک کام نہ کرنا اس کی استغنائیت ہے۔ وہ ''خامہ جنگی'' کا پانچواں بڑا بھی ہے کہ ہم نے اسے تمام ویٹو اختیارات تفویض کر دیے ہیں۔ لہٰذا قابل اعتراض مواد کی اشاعت پر معترضین شاہ جی پر باآسانی (بوجہ تحریک واعانتِ جرم) ہتکِ عزت کا دعویٰ دائر کر سکتے ہیں۔ ان کا نام سید ذوالکفل بخاری ہے۔ میں پیار سے انھیں شاہ جی کہتا ہوں۔ یہ بھی خندہ پروری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ جیو ہزار برس۔'' (مگر صرف چار سال بعد ہی وہ میری زندگی کی قبا میں ایک درد کا پیوند لگا کر چلتا ہوا)

ذوالکفل بخاری کو ان کی والدہ محترمہ اکثر وبیشتر پاکستان میں قیام پذیر ہونے کے لیے اصرار کرتیں شاید وہ جنت المعلیٰ کی ایک مرقد کے اندر جنت الفردوس کے در کا اپنے چشمِ تخیل سے دیدار کر چکا تھا۔ ۱۶/ نومبر بعد نماز فجر خانۂ کعبہ میں اس کے لیے لاکھوں احرام پوش اپنے امامِ کعبہ کی امامت میں دعائے مغفرت کرتے ہوئے اسے افق کے اس پار روانہ کر دیا کہ جہاں ہر ذی روح کو لوٹ کر جانا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر (۵۵) کے مطابق اور یقیناً ہم تمھیں خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔ آیت نمبر (۵۶) کے مطابق وہ لوگ کہ جب انھیں مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ذوالکفل بخاری جیسے نابغۂ روزگار کی ناگہانی وفات نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ہم لوگ خواہشات کے صحرا میں کیوں بھٹکتے رہتے ہیں؟ آرزو اور جستجو کیا ہے؟ ہم عمر بھر جینے کی اپنی ہوس کی دہکائی ہوئی آگ میں کیوں جلتے ہیں؟ مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے ہمیں یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ مستقبل میں سب سے اہم موڑ موت ہے اور ہم اسی کو بھولتے ہیں۔